اسلام کا تصور جہاد

اور

موجودہ دور میں اس پر اعتراضات

مؤلف: محمد جمال اشرفی

کتاب : اسلام کا تصورِ جہاد اور موجودہ دور میں اس پر اعتراضات

مصنف : محمد جمال اشرفی

والد : محمد مناف اشرفی

ناشر :

تعارف مصنف

جناب حافظ محمد جمال اشرفی بچپن ہی سے مطالعہ کرنے کا شوق رکھتے تھے، ابیداء ہی میں قرآنِ پاک حفظ کیا، دینی معلومات حاصل کرنے کی جستجو نے آپ کو علمائے دین سے صحبت اختیار کرنے کا بہترین سے بہتریں موقع دیا، جس کو آپ نے رضائے الٰہی کی نیت سے ہر لمحہ قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔

میں سمجھتا ہو کہ یہ اللہ کا فضل تھا اور آپ کی خلوص نیت تھی کہ پھر آپ کو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے وقت کا بہترین ادارہ(الجامعة العليمية الاسلامية) جو دین اور دنیاوی علوم میں بے مثال تھا، وہاں طالب علم کی حیثیت سے جانے کا موقع ملا، 2021 میں آپ نے اس ادارے سے سبد فراغت حاصل کی۔

آج اپنی اس کم عمری میں مختلف عنوانات پر تحریریں لکھ رہے ہیں۔

فہرست

مقدمہ

اس وقت افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ اُمت مسلمہ میں اقدامی جہاد کلیتاً معطل ہوا پڑا ہے.. یا تو فقط کسمپرسی کی حالت میں کشمیر و فلسطین وغیرہ میں آزادی کی جنگیں لڑی جا رہی ہیں... یا مسلم سیکولر حکومتوں نے چند زر خرید جنگجو لشکر و جیش پال رکھے ہیں جو اِن کے وقتی و عارضی مقاصد کی تکمیل کے لیے کچھ کاروائیاں کر کے انہیں جہادی کاروائیاں قرار دیتے ہیں... یا عالمی طاقتوں نے بڑی چابک دستی سے مشرق وسطیٰ وغیرہ مسلم ممالک میں کچھ گروہ تیار کر کے انہیں فتنہ و فساد پر لگا یا ہوا ہے... یا پھر مسلم ممالک کی فوجیں امن کے نام پر عالمی طاقتوں کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دنیا کے متعدد علاقوں میں خود مسلمانوں کا قتل عام اور عالمی طاقتوں کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہیں۔

قرآن حکیم میں جس شرعی حکم کے متعلق سب سے زیادہ آیات کریمہ ہیں وہ جہاد پر ہے... احادیث اور کتب فقہ میں جہاد کے متعلق مفصّل روایات اور بحثیں موجود ہیں...

جس پاک نبی کا ہم کلمہ پڑھتے ہیں انہیں نبی السیف کے مبارک نام سے یاد کیا جاتا ہے.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مدنی سالوں میں مسلسل جہاد فرمایا.. آپ نے اپنی وراثت میں اُمت کے لیے تلواریں اور ہتھیار چھوڑے، آپ کے ستائیس غزوات اور چھپن سرایا ہیں، خلافت راشدہ، خلافت بنو امیہ، خلافت بنو عباس، خلافت عثمانیہ، اندلس اور برصغیر میں کسی بھی دور میں اقدامی جہاد معطل نہیں ہوا... اور اسی وجہ سے بارہ سو سال تک اسلام دنیا میں غالب طاقت رہا.

سیدنا خالد بن ولید، سیدنا ابو عبیدہ بن جراح، محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد، موسی بن نصیر اور یوسف بن تاشفین جیسے عظیم جرنیل ہماری عظیم تاریخ کا قابل فخر حصہ ہیں..

بارہ سو سال کے بڑے بڑے جنگی معرکے اور لازوال جہادی داستانیں فتوح الشام وغیرہ بے شمار کتب میں آج بھی چمک کر رہی ہیں.

بارہ سو سال تک اُمت اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اسی بنیاد پر کرتی رہی کہ وہ بڑے ہو کر مجاہد بنیں گے اور غازی یا شہید بن کر اِن کا سر فخر سے بلند کریں گے۔ غازی کی بیوی اور شہید کی بیوہ کہلانا ایک اعزاز سمجھا جاتا رہا۔

بڑے بڑے جید متقدمین نے بذات خود جہادی معرکوں میں شرکت کی اور یہ ان کی زندگی کا بہترین حصہ قرار پایا..

بارہ سو سال تک مسلمان کے لیے عیش کی زندگی دشوار اور شہادت کی موت مزیدار رہی. بستر پہ مرنا باعث ذلت اور میدان میں مرنا باعث عزت سمجھا جاتا رہا... موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑنے والا سورما سارے قبیلے کی آنکھ کا تارا ہوا کرتا تھا۔ رب کی بارگاہ میں شہید ہو کے پیش ہونا زندگی کی عظیم خواہش ہوا کرتی تھی... تلوار کی ضرب لگنا باعث پریشانی نہیں بلکہ دل کی تڑپ ہوا کرتی تھی۔

مسلم معاشروں میں ہتھیاروں کا کاروبار وسیع تر اور جہادی تربیت اہم سمجھی جاتی تھی۔

کافر طاقتیں مسلمانوں کی اسی جہادی سپرٹ کو دیکھ کر تھر تھر کانپتی تھیں.. ہمیشہ ایک تہائی مسلمان دو تہائی یا اس سے زائد کافروں کو شکست فاش سے دوچار کرتے تھے..

نبی السیف کے جہاد سے لے کر خلافت عثمانیہ کے جہاد تک ہمیں جو تسلسل نظر آتا ہے وہی دراصل اسلام کو آفاقی شان عطا کرتا رہا اور کافر کو ذلیل و رسوا کرتا رہا..

یہ بات ہمیں تو بھول گئی مگر شاطر و عیار عالمی طاقتوں کو ہرگز نہیں بھولی، انہوں نے ہم سے تاج خلافت چھیننے کے بعد مسلسل اس چیز پہ نظر رکھی ہوئی ہے کہ اب دوبارہ ہمارے اندر جہادی جذبہ بیدار نہ ہونے پائے۔ اسی لیے جہاں بھی کہیں حقیقی جہاد کی آواز بلند ہونے کا خطرہ محسوس ہوتا ہے وہیں مسلمان کی گردن دبوچ لی جاتی ہے.. الا یہ کہ وہ امریکی مفاد کا نام نہاد جہاد ہو، تو اس کو باقاعدہ پلان اور سپورٹ کر کے باقی رکھا جاتا ہے، مگر یہ پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے کہ سواد اعظم اہل سنت کو اس سے بھی دور ہی رکھا جائے، صرف اپنے پالتو فرقوں کو ایسے نام نہاد جہاد کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے.

عالمی طاقتیں پوری دنیا میں اس چیز پر نظر رکھے ہوئے ہیں کہ کوئی حکمران، کوئی تنظیم، کوئی لیڈر، کوئی نصاب ایسا تو نہیں سامنے آ

رہا جو مسلمانوں کو ان کے حقیقی شرعی جہاد سے آگاہ و خبر دار کر رہا ہو.. جیسے ہی انہیں اس کی بھنک پڑتی ہے وہ فوراہی حرکت میں آجاتی ہیں اور ایسی سوچ کے ارد گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا جاتا ہے.

جہاد کا بنیادی مقصد دنیا بھر میں بزور شمشیر اللہ و رسول کے دین، قانون اور نظام کا نفاذ ہے.. کسی کافر کو زبر دستی کلمہ تو نہیں پڑھایا جائے گا مگر کافرانہ حکومتوں کو سر اٹھا کر جینے بھی نہیں دیا جائے گا. کفار اسلامی حکومت میں قانون کے پابند ہو کے رہیں.

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر میں صرف اور صرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، برما، فلسطین، ہندوستان، کشمیر، افغانستان، وسطی افریقہ، عراق، شام اور یمن وغیرہ ممالک میں مسلمانوں کا جینا دو بھر ہو چکا ہے. ہر ہر جگہ مسلمان کفار کے سیاسی غلام بن کر زندہ ہیں، ان کی اجتماعیت اور افرادی قوت کو بکھیر دیا گیا ہے. سیاسی طور پر سر اٹھا کر جینا کسی مسلمان ملک کے لیے ممکن ہی نہیں ہے.. یعنی اب مسلمانوں کو کافروں والی اس ذلت کا سامنا ہے جس کا کافروں کو بارہ سو سال تک سامنا رہا ہے.

بھولا بھالا مسلمان سوچتا پھرتا ہے کہ وہ کیوں اس بدترین حالت تک پہنچا.. کوئی تعلیم کی کمی کو، کوئی سائنس میں پیچھے رہ جانے کو، کوئی نمازیں نہ پڑھنے کو اور کوئی تبلیغ چھوڑ دینے کو اس کا سبب قرار دیتا ہے.. حالانکہ اصل سبب جہاد فی سبیل اللہ کا مسلمانوں میں معطل ہو جانا ہے.

یاد رہے کہ جہاد شرعی کا متبادل دوسری کوئی بھی عبادت نہیں ہو سکتی، نہ تعلیم، نہ تبلیغ، نہ نماز روزہ نہ حج زکوٰۃ، نہ عقیقہ قربانی.. جہاد کا متبادل بھی صرف جہاد ہی ہے.

چونکہ ہم ذہنی طور پر غلام بن چکے ہیں اس لیے ہمارا اسلام بھی باطل مغربی فکری سانچے میں ڈھل چکا ہے.. حالانکہ حکم خداوندی ہے.. ولا تلبسوا الحق بالباطل.. ہم امت کی کامیابی مغربی طرز میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں.. حالانکہ ہمارے آخر کی اصلاح بھی اسی طریقے سے ہو گی جس سے ہمارے اول کی اصلاح ہوئی تھی... سیدنا عیسی علیہ السلام اور امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی دنیا میں آکر جہاد کے ذریعے ہی اسلام کو غالب کریں گے.

مجھے اس وقت شدید حیرت ہوتی ہے جب ایک عالم و فاضل مسلمان بھی جہاد کی بات سن کر اس کی ہنسی اڑاتا ہے اور اس کی بات

کرنے کو فقط دیوانے کی بڑ سمجھتا ہے. سچ فرمایا تھا رسول خدا نے کہ کافر تم پر کھانے کے تھال پر جھپٹنے کی طرح جھپٹیں گے اور تم کثیر ہونے کے باوجود صرف اس لیے مار کھاؤ گے کہ لذات دنیا میں مستغرق اور موت سے ڈرنے لگ جاؤ گے.

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر ہر سنی لیڈر، عالم، تنظیم، ادارہ اور فرد باقاعدہ سے اسلامی جہاد اور اس کی تاریخ کا مطالعہ کر کے ذہنی طور پر تمام مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کرے.. جیسے جیسے قلوب و اذہان میں جہاد کی فکر راسخ ہوتی چلی جائے گی ویسے ویسے اس کا راستہ بھی ہموار ہوتا چلا جائے گا۔

عموماً لفظ "جہاد" کا ترجمہ انگریزی زبان میں "(Holy War) مقدس جنگ" کیا جاتا ہے، اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوش جنوں" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لیے، ڈاڑھیاں چڑھائے، خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ جہاں کسی کافر کو دیکھ پاتا ہے، پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لا الہ الا اللہ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی قلمکاریوں کے ساتھ بنائی ہے۔ یہ سب انسانی خیالات کا تصور ہے اور کسی کو آج کی دنیا مجاہدین کے خوف سے دہشت گردی کہتی ہے اور کہلواتی ہے۔ اس خوف کی وجہ دنیا کی تمام طاقتیں ہونے کے باوجود ایمان سے محرومی ہے۔

لغوی معنیٰ:

جہاد کا لفظ جھد یجھد جھدا سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ (جھد) ضمہ سے (جُھد) ہو یا فتح (زبر) سے جَھد ہو اس کا معنی وسعت اور طاقت ہے۔ اور ایک قول کے مطابق جہد کا مطلب وسعت اور جہد کا مطلب مشقت۔ جہد کو غایت کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے "واقسموا باللہ جھد ایمانھم" انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں، اس طرح جہاد کا لغوی معنی یہ بنا "کسی پسندیدہ چیز کے حصول یا ناپسندیدہ چیز کو رفع کرنے کی غرض سے انسانی استطاعت و طاقت کے مطابق ہر ممکنہ کوشش کرنا" (لسان العرب، ج: 3، ص: 133)

اصطلاحی معنیٰ:

احناف کے نزدیک:

- "الجهاد دعوة الكفار الى الدين الحق وقتالهم ان لم يقبلوا"
  دین حق کی طرف کفار کو دعوت دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرنا۔ (فتح القدير ، ج:5، ص:187)
- "بذل الوسع و الطاقة بالقتال فى سبيل الله عزوجل بالنفس المال و اللسان وغير ذلک"
  اللہ کے رستے میں جنگ کے لیے نفس، مال اور زبان وغیرہ کی پوری طاقت لگا دینا۔(بدائع الصنائع، ج: 9، ص: 429)

- "الجهاد ای قتال فی سبیل الله"

امام باجوری نے کہا کہ جہاد کا مطلب قتال فی سبیل اللہ ہے۔(ابن القاسم، ج: 2، ص: 261)

- "وشرعا بذل الجهد فی قتال الكفار"

امام ابن الحجر العسقلانی کہتے ہیں کہ شرعاً اس کے معنی کفار سے جنگ میں پوری کوشش صرف کر دینا۔(الفتح، ج: 6، ص:3)

مالکیہ کے نزدیک:

- "قتال المسلم كافرا غير ذی عهد لاعلاء كلمة الله او حضوره له او دخوله ارضه له"

مسلمان کا غیر ذی عہد کافر سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جنگ کرنا یا جنگ کے میدان میں حاضر ہونا یا معرکے کی زمین میں داخل ہونا۔(حاشیہ عدوی صعیدی، ج:2، ص:2)

حنابلہ کے نزدیک:

- "قتال الكفار"

الجہاد سے مراد قتال ہے۔(ابن القاسم ، ج:2، ص:261)

- "الجهاد القتال و بذل الوسع منه لا علاء كلمة الله تعالى"

جہاد قتال ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تمام تر کوشش صرف کر دینا۔(عمدة الفقه، ص:166)

جہاد کی تعریف حضور ﷺ کے فرامین کی روشنی میں:

- "قال فای الهجرة افضل، قال الجهاد قال وما الجهاد يقال ان تقاتل الكفار اذا لقيتهم ولا تغل ولاتحبن"

ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بہترین ہجرت جہاد کی ہجرت ہے۔

صحابی نے پوچھا جہاد کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستے میں نہ خیانت کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ۔(کنز العمال، ج:1، ص:76)

جہاد کی فرضیت

قرآن کی روشنی میں:

جہاد قرآن و سنت کی صریح نص کی بنیاد پر فرض ہے، اللہ سبحانہ و تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

كتب عليكم القتال وهو كره لكم و عسى ان تكرهو شيئا وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شيئا وهو شر لكم والله يعلم انتم لا تعلمون (سورۃالبقرۃ:214)

جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو (طبعا) ناپسند معلوم ہوتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو ناپسند کرو، وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے حق میں باعث خرابی ہو، اور اللہ تعالی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور فرمایا:

وقاتلوا فى سبيل الله واعلموا ان الله سميع عليم (سورۃالبقرۃ:244)

اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اور فرمایا:

فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد(سورۃالتوبہ:5)

مشرکین کو جہاں پاؤ مارو، اور پکڑو، اور باندھو اور ان کی تاک میں بیٹھو۔

اور فرمایا:

قاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولا بليوم الآخر ولايحرمون ماحرم الله ورسولہ ولا يدينون دين الحق مين الذين اوٹوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون (سورۃالتوبۃ)

ان لوگوں کو مارو کہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالی نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک ان سے لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

احادیث کی روشنی میں:

1)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

امرت ان اقاتل الناس حت یقولوا لا الہ الا اللہ فاذا قالوھا عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی اللہ۔

مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس وقت تک کفار کے ساتھ قتال کروں جب تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ نہ پڑھیں (یعنی اس کے مقتضی یہ عمل کریں) جب انہوں نے یہ کلمہ پڑھا تو انہوں نے اپنا خون اور مال مجھ سے محفوظ کرا یا مگر اس کلمہ کے حق میں (شرعی حدود جیسا کہ قصاص وغیرہ) ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(حدیث متواتر، صحیح البخاری 6924، مسلم کتاب الایمان: 33، سنن النسائی :17/5، 7، 14 الفظہ احمد فی المسند : 528/2، والترمذی ابواب الایمان : 117/4 وابو داؤد کتاب الجہاد:101/4 وابن ماجہ : 1295)

2)حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الجہاد واجب علیکم مع کل امیرا بر کان او فاجرا، والصلواۃ واجبۃ علیکم خلف کم مسلم براکان او فاجرا وان عمل الکبائر۔

تم پر جہاد واجب ہے ہر امیر کے ساتھ خواہ وہ نیک ہو یا فجر، اور نماز بھی تم پر واجب ہے ہر نیک مسلمان اور فاجر امام کے پیچھے خوہ بڑے گناہوں کا مرتکب کیوں نہ ہو۔

(اخرجہ الدارقطنی: 65/2 رقم 1740۔ واسنادہ ضعیف ولکنہ یؤیدہ الاحادیث الصحیحۃ)

3)حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کرو اپنے مال، نفس اور زبان کے ذریعہ۔

(ابو داؤد : 3/ 22، اسنادہ علی شرط مسلم، النسائی 7/6، واحمد:126/2، والدارمی: 213/2، وابن حبان باب الجہاد صفحۃ : 390، موردہ والحاکم : 81/2)

4)حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اسلام کے آٹھ حصہ ہیں۔ شہادتیں (یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) نماز، زکوۃ، حج، جہاد، رمضان کے مہینے کا روزہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، وہ آدمی خسارے میں پڑ گیا جو اسلام کے ان حصوں میں سے کسی ایک حصہ کو بھی ادا نہ کرے۔

(المصنف ابن ابی شیبۃ:352/5، وعبدالرزاق:173/5، واسنادہ صحیح)

صوفیاء کرام جن کا منصب اصلاحِ نیت، تزکیہ نفس اور تہذیبِ اخلاق ہے، دورِ حاضر میں عمومی طور پر بعض طبقات کے ہاں یہ فکر پائی جاتی ہے کہ 'تصوف اور صوفی کا میدان جہاد سے کوئی تعلق نھیں' ذیل میں مختصراً اِس فکر کا جائزہ لیں گے کہ کیا واقعی صوفیاء نے ہمیشہ مجاہدہ بالنفس کی بات کی ہے یا اپنی ذات یا عقیدت مندوں میں شوقِ شہادت کا جذبہ بھی پیدا کیا ہے۔ دورِ حاضر میں برملا کہا جاتا ہے کہ صوفیاء تو محبت والے ہیں اِن کا جہاد سے کیا کام۔ اِس فکر کو پروان چڑھانے اور اِس فتنہ کی آبیاری کے لیے طرح طرح کے جتن کئے جا رہے ہیں، کئی نقلی پیروں 'بناوٹی صوفیاء کو تصوف کا داعی اور راہنما بنایا جا رہا ہے 'جھوٹی روایات' باطل و من گھڑت حکایات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جا رہا ہے، تاریخ تصوف کو یکسر مسخ کر کے مستشرقین کا ایک گروہ صدیوں سے اِس فتنہ کو پھیلانے میں مصروف عمل ہے لیکن اہل حق جانتے ہیں کہ صوفیاء عظام نے جہاں مجاہدۂ نفس کی تعلیم و ترغیب دی ہے وہیں جہاد بالسیف اور مجاہدانہ فکر و عمل کو اپنے اقوال و افعال سے طالبانِ حق تک پہنچایا ہے۔ تصوف کی منتہی کتب اور جلیل القدر صوفیاء کے احوال و کردار سے واقف جانتے ہیں کہ:

"صوفیائے عظام نے ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ اہل اللہ، ایک خدا کی عبادت کر کے قوت ایمانی اور جہاد فی سبیل اللہ سے شجاعت بدنی حاصل کرتے تھے"۔

1) چنانچہ امام الاولیاء سیدنا داتا گنج بخش عثمان بن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب مستطاب ''کشف المحجوب'' میں جہاں مجاہدہ نفس کی ترغیب و اہمیت کو اجاگر کیا ہے وہیں ''لی حرفتان الفقر و الجهاد'' کی روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''(اے طالب حق اور سالک راہِ طریقت!) تجھے اِسے (فقر اور جہاد کو) بھی اختیار کرنا چاہیے اور اِس پیشہ کے علاوہ تمام پیشے ترک کرنے چاہیں۔'' (کشف المحجوب :باب 29)

2) سند الاصفیاء، جماعت تابعین میں ایک عظیم نام
سیدنا خواجہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 110 ہجری) جنہوں نے باقاعدہ عملی طور پر بنفس نفیس جہاد بالسیف میں حصہ لیا۔

3) طبقات ابن سعد میں ہے سیدنا امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: ''هل غزوت '' کیا آپ نے کبھی جہاد کیا ہے؟ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جی ہاں! میں غزوہ کابل میں (صحابی رسول حضرت سیدنا) عبد الرحمن بن سمرہ (رضی اللہ عنہ متوفی 51 ہجری) کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ (طبقات ابن سعد:129/7)

4) احیاءعلوم الدین میں امام غزالی علیہ الرحمۃ (متوفی 505ہجری):

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی علیہ الرحمۃ (متوفی 157ہجری) سے منقول صوفیاء کرام کے اوصاف، علامات اور شرائط کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"نحو الجهاد وكل فعل الفاضل"

اصل صوفی کی نشانی یہ ہے کہ آپ انھیں جہاد کی طرف سفر کرتا دیکھیں گے۔(احیاء علوم الدین :339/ 4)

5) فقہ حنفی کے بانی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد، جلیل القدر محدث، تاجدارِ تصوف و معرفت "سیدنا عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ" (متوفی 181ہجری)

آپ سب سے پہلے مؤلف ہیں جنہوں نے جہاد کے عنوان پر ایک کتاب کو مرتب کیا۔(کشف الظنون : 1410/2)

آپ کے تذکرہ نگاروں نے لکھا کہ آپ کا معمول زندگی یوں تھا:

"ایک سال 'حج' دوسرے سال 'جہاد' اور تیسرے سال 'تجارت' کیا کرتے تھے۔"

6) سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ جن کا ارشاد ہے:

"حق تعالیٰ نے مجھے دشمنوں پر مجاہدین کے ساتھ کھڑا کیا تاکہ میں دشمنوں کی گردنوں پر تلواروں سے وار کروں"۔(طبقات الصوفیہ:140)

اور

امام الطائفہ سیدنا سری سقطی،

حضرت حیات بن قیس حرانی،

ابو نصر محمد بن عبد اللہ انصاری،

حضرت نجم الدین کبری،

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی،

صوفی احمد اللہ شاہ مدارسی،

حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی،

حضرت فضل حق خیر آبادی،

سید کفایت اللہ کافی،

سید نعیم الدین مراد آبادی،

مفتی عنایت احمد کاکوروی،

پیر سید جماعت علی شاہ پیر آف پگارہ شریف،

پیر آف سیال شریف،

حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ،

سید ابو الحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

کی مجاہدانہ زندگی سے واضح ہو جاتا ہے کہ صوفیاء کرام کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل رہی۔ صوفیاء عظام نے ہمیشہ عملی طور پر جہاد کا فریضہ سر انجام دیا اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوئے۔ (مصادر: اسلام کا تصور جہاد، نظام جہاد)

جہاد فی سبیل اللہ پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض نمبر:1 (اقدامی جہاد)

جہاد فی سبیل اللہ، بلکہ جہاد اقدامی کے بارے میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے، کہ شریعت مطہرہ نے ہمیں جہاد کی اجازت تو دی ہے، مگر اس شرط پر کہ کفار حملہ آور ہوں، وگرنہ ہمیں پہل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس کیلئے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ اور ان جیسی دیگر آیات پیش کی جاتی ہیں۔

دلائل:

- وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر : 190)
  اور تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔
- فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ماعتدی علیکم (سورہ البقرۃ، آیت نمبر : 194)
  جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کا بدلہ زیادتی کی مقدار کے مطابق لے سکتے ہو۔
- فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب (سورۃ الرعد، آیت نمبر:40)
  (اے نبی ﷺ) تمہارے ذمہ بات پہنچانا ہے اور حساب ان کا ہمارے ذمہ ہے۔
- وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ (سورۃ النحل، آیت نمبر: 124)
  اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔

جواب:

جواب سے قبل ایک بات ذہن نشین فرمالیں کہ قرآن کریم میں بعض آیات واحکامات منسوخ ہوئے ہیں۔ جیسے پہلے روزہ رات اور دن کا تھا، مگر اب صرف دن کا ہے پہلے جہاد میں ایک کا مقابلہ دس سے تھا مگر اب ایک کا مقابلہ دو سے ہے وغیرہ۔ اور قرآن

کریم میں بھی اس مسئلہ کی بڑی وضاحت موجود ہے:
ماننسخ من اية او ننسهانات بخير منها او مثلها (سورة البقرة، آیت نمبر : 106)

اور اس نسخ کی چار صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کی تلاوت باقی ہو اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے۔ جسے:منسوخ الحکم دون التلاوۃ کہا جاتا ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں، مشہور و معروف مفسر، محدث اور فقیہ ملا احمد جیون میر ٹھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اب میں آپ کو وہ آیات بتلاتا ہوں جو منسوخ الحکم دون التلاوۃ ہیں اور مجھے کتب کی چھان بین سے دستیاب ہوئی ہیں۔ وہ تمام آیات جن میں مقاتلین سے عفو و درگزر کا تذکرہ ہے جیسے:

فانما عليک البلاغ وعلينا الحساب (سورة الرعد، آیت نمبر:40)

اور

لكم دينكم ولی دين (سور ۃ الکافرون، آیت نمبر : 6)

یا جن میں جنگ میں پہل کرنے سے روکا گیا ہے مثلاً:

ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين (سورة البقرة، آیت نمبر:190)

ایسی تمام آیات ان آیات سے منسوخ ہیں جن میں ہمیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے جیسے:

وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة (سورة التوبة، آیت نمبر:36)

اور

فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموہم (سورة التوبة، آیت نمبر : 5)

امام زاہدؒ کہتے ہیں کہ تقریباً ستر (۷۰) آیات ایسی ہیں جو آیات قتال سے منسوخ ہیں۔
صاحب الاتقان لکھتے ہیں کہ ایک سو چوبیس (۱۲۴) آیات اس آیت سے منسوخ ہیں۔
(تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ)

اس لئے ایسی تمام آیات کا حکم چونکہ منسوخ ہے، لہٰذا ان کو دلیل بنا کر اقدامی جہاد سے انکار کرنا، ایک حکم شرعی کا انکار کرنا ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

منسوخ آیتوں کو نہ حیلہ بنائیے
یہ فلسفہ غلط ہے دفاعی جہاد کا

مقصودِ جہد شوکتِ اسلام ہے فقط

لازم ہے یوں مٹانا زمین سے فساد کا

جہاد کی اقسام:

جہاد کی دو قسمیں ہیں جہاد کی ایک قسم "دفاع" ہے جس کو دفاعی جہاد کہتے ہیں، یعنی کافروں کی کوئی قوم ابتداءً مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو، مسلمان اس کی مدافعت کیلئے ان کا مقابلہ کریں، جہاد کی اس قسم کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

- وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین(سورة البقرة، آیت نمبر:190)

  اور قتال کرو خدا کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو، تحقیق اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

- اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و ان الله علی نصرہم لقدیر *الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله (سورة الحج، آیت نمبر : 39-40)

  مسلمانوں کو ان کافروں سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں اس وجہ سے کہ مسلمان ستم رسیدہ ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد پر قادر ہے یہ مسلمان اپنے گھروں سے محض بے وجہ نکالے گئے سوائے اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے۔

جہاد کی دوسری قسم "اقدامی جہاد" ہے یعنی جبکہ کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو تو،

ایسی حالت میں اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ، تم دشمنانِ اسلام پر جارحانہ حملہ اور دشمن کی طرف پیش قدمی کرو، کیونکہ جب دشمنوں کی طرف سے خطرہ ہو تو احتیاط اور حفظ ماتقدم کا تقاضا یہی ہے کہ، تم ان پر جارحانہ اقدام کرو، تاکہ اسلام اور مسلمان کفر اور شرک کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں اور بغیر کسی خوف و خطرہ کے امن و عافیت کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے احکامات کو بجالاسکیں اور کوئی قوت و طاقت ان کو ان کے سچے دین سے نہ ہٹا سکے، اور نہ پھیر سکے،

اور نہ کوئی طاقت قانونِ خداوندی کے اجراء اور نفاذ میں رکاوٹ بن سکے۔

ایسے موقع پر عقل اور فراست، تدبیر اور سیاست کا یہی مقتضٰی ہے کہ، خطرہ کو پیش آنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ اس انتظار میں رہنا کہ جب خطرہ سر پر آجائے گا اس وقت مدافعت کریں گے یہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔ جس طرح شیر اور چیتا کو حملہ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے پہلے ہی سر کچل دینا ظلم نہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کی تدبیر اور انجام بینی ہے۔ اسی طرح کفر و شر کا سر اٹھانے سے پہلے ہی سر کچل دینا اعلیٰ درجہ کی تدبیر ہے۔

چوروڈا کو اور درندے اگر کسی جنگل اور بیابان میں جمع ہوں تو دانائی اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ وہ شہر کا رخ کریں ان کو آبادی کا رخ کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے، کیوں کہ درندوں کے قتل میں اقدام ہی عقل اور دانائی ہے اور

- فاقتلوا المشركين حيث وجدتموہم (سورة التوبة، آیت نمبر : 5)
اور قتل کرو مشرکین کو جہاں تم ان کو پاؤ

اور

- اينما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتيلا(سورة الاحزاب، آیت نمبر : 61)
اور جہاں وہ ملیں ان کو پکڑا جائے اور قتل کر دیا جائے

میں اس قسم کے کافر مراد ہیں۔ درندوں کے قتل میں دفاع کا تصور کرنا اور یہ سوچنا کہ جب یہ درندے مل کر ہم پر حملہ آور ہوں گے، اس وقت ہم ان کی مدافعت کریں گے، اس قسم کا تصور اہلِ عقل کے نزدیک کھلی حماقت اور نادانی ہے، حق تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد:

وقاتلواهم حتى لاتكون فتنة و يكون الدين كله لله(سورة الانفال، آیت نمبر : 39)
یعنی اے مسلمانو! تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔

میں اسی قسم کا جہاد مراد ہے۔ اس آیت میں فتنہ سے کفر کی قوت اور شوکت کا فتنہ مراد ہے اور
ويكون الدين كله لله(سورة الانفال، آیت نمبر :39)
سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:
ليظهره على الدين كله (سورة الصف، آیت نمبر : 9)

یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔

اعتراض نمبر:2 (دعوت و تبلیغ کو کیوں جہاد سے تعبیر کیا گیا؟)

قرآن کریم نے حضرت پاک ﷺ کی مکی زندگی کو ذکر فرمایا اور آپ کی دعوت و تبلیغ اور اس پر کفار مکہ کی طرف سے پیش آمدہ مصائب و مشکلات اور اس پر آپ کے صبر و استقامت کو بیان کرتے وقت جن الفاظ کو استعمال فرمایا وہ یہ ہیں:

فلا تطع الكافرين وجاهد هم به جهادا كبيرا (سورة الفرقان، آیت نمبر: 52)

اس آیت کریمہ میں آپ کی دعوت و تبلیغ کو صرف جہاد ہی نہیں بلکہ جہاد کبیر یعنی بڑا جہاد قرار دیا، حالانکہ اس میں قتل ہے نہ قتال بلکہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ صریح اور واضح حکم

کفوا ایدیکم(سورۃ النساء، آیت نمبر : 77)
یعنی اپنے ہاتھوں کو روکو۔

کے ذریعہ سے قتال کرنے کی ممانعت تھی۔ تو اگر جہاد فی سبیل اللہ، صرف قتال فی سبیل اللہ ہی کا نام ہے، تو قرآن کریم نے دعوت و تبلیغ کو جہاد سے کیوں تعبیر فرمایا؟

پہلا جواب:

اس آیت کریمہ میں "جاھد" کا معنی ہے کہ کفار کو تبلیغ کرنے میں خوب کوشش کرو، انتھک محنت کرو اور اسی محنت و مشقت کے ساتھ دعوت الی اللہ کو لفظ جہاد سے تعبیر فرمایا، کیونکہ لغت عرب میں ہر وہ کام جس میں مشقت اور جدوجہد ہو، اس کو جہاد ہی کہا جاتا ہے، خواہ وہ کوشش اور جدوجہد کسی برے کام میں ہو یا اچھے کام میں، مگر اس کو لغت عرب میں جہاد کا نام دے دینے سے وہ شریعت کا حکم جہاد فی سبیل اللہ تو نہیں بن سکتا۔

دوسرا جواب:
اگر کسی بھی فعل اور عمل کیلئے لفظ جہاد کا استعمال ہی دلیل ہے، اس کے جہاد فی سبیل اللہ ہونے کی تو پھر سورۃ لقمان کی آیت کریمہ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو حکم دیا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ہمارا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہے اور

وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما(سورۃ لقمان، آیت نمبر:15)
اگر تمہارے والدین خوب کوشش بھی کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو تو ان کی یہ بات ہرگز نہ ماننا۔

اب دیکھیں اس آیت میں والدین کی شرک اور کفر کی طرف دعوت کو بھی لفظِ جہاد سے تعبیر کیا ہے، تو کیا اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ، کفر اور شرک کی طرف دعوت دینا بھی، جہاد فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے، تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ یقیناً آپ اس کو یہی کہیں گے کہ یہاں جہاد اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، نہ کہ اصطلاحی اور شرعی معنی میں اور ہماری بحث جہاد بالمعنی الشرعی کے بارے میں ہے، نہ کہ جہاد بالمعنی اللغوی کے بارے میں۔

تیسرا جواب:

اس بات پر پوری امت کا اتفاق ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک فریضہ اور حکم شرعی ہے، جو کہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور "وجاہدھم بہ جہاداکبیرا" تو مکی آیت ہے اور اس آیت سے مراد بھی اصطلاحِ شریعت والا جہاد ہو تو، پھر یہ کہنا چاہئے کہ جہاد فی سبیل اللہ مکہ میں نازل ہوا، جب اس کا کوئی عالم بھی قائل نہیں۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس آیت سے اصطلاحی اور حکمِ شرعی "جہاد فی سبیل اللہ" مراد نہیں، بلکہ مطلقاً کوشش کرنا ہی مراد ہے، اور لغت عرب میں کوشش اور جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے، مگر اصطلاحی جہاد فی سبیل اللہ اور چیز ہے، اور لغوی جہاد اور چیز ہے۔

چوتھا جواب:

لغتِ عرب میں تو صلوٰۃ کا معنی ہے "تحریک الالیتین" سرین یعنی جسم کے پچھلے حصے کو حرکت دینا اور صلوۃ کے معنی رحمت بھیجنے کے بھی آتے ہیں۔ اور صوم کے معنی لغت عرب میں رکنے کے ہیں، اور حج کا معنی ارادہ کرنے کے ہیں خواہ برے کام کا ہو یا کسی اچھے کام کا۔
اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ، میں تو صبح اٹھتے ہی اپنے سرین کو حرکت بھی دیتا ہوں اور رحمت کی دعا بھی کرلیتا ہوں، لہٰذا میری یہی نماز ہے، کیونکہ عربی میں اس کو نماز کہتے ہیں اور کوئی شخص کہے کہ میں ایک آدھ گھنٹے کے لئے کھانے پینے یا بات کرنے سے رک جاتا ہوں، تو میرا یہ ہی روزہ ہے کیا ضرورت ہے پورا دن بھوکا پیاسا اور محبوب بیوی سے دور رہنے کی۔ کیونکہ لغت عرب میں تو صرف رکنے کو ہی روزہ کہتے ہیں۔ یا میں نے بیت اللہ جانے کا ارادہ کرلیا ہے، اب کیا ضرورت ہے کہ ہزاروں روپے خرچ کروں، اور گرمی کی شدت کا سفر برداشت کروں، اور گھر سے دور رہوں، کیونکہ لغت عرب میں صرف ارادہ کرنے کو ہی حج کہتے ہیں۔
تو آپ اس محقق اور مدقق کو کیا جواب دیں گے، سوائے اس کے کہ بابا! لغتِ عرب سے اصطلاحاتِ شرعیہ متعین نہیں ہوتیں، بلکہ یہ تو صاحبِ شریعت کے متعین کرنے سے متعین ہوتی ہیں اور لغت کو لے کر شریعت کے اعمال کا حلیہ نہیں بگاڑا جاتا۔
ہاں یہ بات الگ ہے کہ لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔
اس لئے میں کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں کسی بھی عمل پر لفظِ جہاد کے اطلاق اور استعمال کی وجہ سے اس عمل کو شرعی اور اصطلاحی جہاد قرار دینا یہ بددیانتی ہے یا کم علمی اور کم فہمی۔

اعتراض نمبر:3 (نبی اکرم ﷺ نے کبھی کسی منافق سے جہاد نہیں کیا)

یاایھا النبی جاہد الکفار والمنافقین و اغلظ علیہم وماوھم جہنم وبئس المصیر (سورۃ التحریم، آیت نمبر:9)
اس آیتِ کریمہ میں بھی "جاھد" کا لفظ ہے اور اس کے معنی بھی قتال نہیں، کیونکہ اس میں حکم ہے کہ منافقین سے جہاد کرو

اور منافقین سے خود حضرت پاک ﷺ نے بھی قتال نہیں فرمایا، اور اگر یہاں "جاھد" کا معنی "قاتل" ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ، یہ ایسا حکم ہے جس پر خود حضرت پاک ﷺ نے بھی عمل نہیں فرمایا۔

پہلا جواب:

اس آیت کریمہ میں "جَاھِدِ" بمعنی "قَاتِل" ہے یعنی لڑو اور قتال کرو۔

پہلی دلیل:

یہ ہے کہ یہ آیت قرآن میں دوبار آئی ہے، ایک سورۃ توبہ میں جو کہ خالص جہاد کے احکام وترغیب وغیرہ پر مشتمل اور مدنی ہے، دوسری بار سورۃ تحریم میں اور سورۃ تحریم بھی مدنی ہے اور جہاد بھی مدنی حکم ہے۔

دوسری دلیل:

یہ ہے کہ اس میں حکم ہے "واغلظ علیہم" کہ ان کفار و منافقین پر سختی کرو، اور یہ سختی اور غلظت جہاد میں ہی ہوتی ہے نہ کہ دعوت و تبلیغ میں۔ کیوں کہ دعوت و تبلیغ میں تو حکم ہے۔

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ (سورۃ یوسف، آیت نمبر:108)

ادع الی سبیل ربک بلحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ہی احسن (سورۃ النحل، آیت نمبر:125)

ادفع بالتی ہی احسن (سورۃ حم السجدۃ، آیت نمبر:34)

تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ حکمت، بصیرت اور اچھی نصیحت کے ساتھ ان کافروں کو اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔

تیسری دلیل:

یہ ہے کہ اس کے متّصل بعد فرمایا:

وماوھم جہنم کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ان کو قتل کرو اور ان کے ٹھکانہ اور مقام تک پہنچاؤ۔

اور آیاتِ دعوت و تبلیغ کا انداز یہ نہیں ہوتا، بلکہ ان کے آخر میں کوئی نہ کوئی ہدایت کی طرف ترغیب دینے والا، یا پھر کفر و شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے والا جملہ ہوتا ہے، اور یہاں پر تو ذکر ہی اس کا کیا جس کا تعلق ہی موت سے ہے کیونکہ جہنم تو موت کے بعد ہی ہے یعنی قتل ہوں، اور پہنچیں اپنے ٹھکانہ پر

؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

دوسرا جواب:

اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں جہاد اور غلظت یعنی سختی کرنا اور دو ہی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے کفار اور منافقین تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ اعلانیہ جو کفار ہیں ان کے ساتھ جہاد یعنی قتال کرو اور جو منافقین ہیں ان پر غلظت یعنی سختی کرو۔

اے نبی ﷺ آپ کیجئے بے شک
کافروں اور منافقوں سے جہاد
خوب سختی دکھایئے ان پر
تا کہ دوزخ میں جا کے ہوں برباد

باقی رہا یہ اشکال کہ پھر منافقین سے قتال کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب تو یہ ہے کہ منافق ہوتا ہی وہ ہے، جس کا کفر تو مخفی ہو، مگر ایمان ظاہر کرتا ہو، تو جب تک کسی کا کفر بالکل ظاہر نہ ہو، اس کو قتل کیسے کیا جا سکتا ہے؟

علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ، زمانہ نبوت میں چونکہ حضرت پاک ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا جاتا تھا، مگر ہم کو کسی کے باطنی کفر پر فتویٰ کا کوئی حق حاصل نہیں، اِلّا یہ کہ کوئی شخص باطنی کفر کو از خود ظاہر کر دے، مگر جب وہ ظاہر کر دے گا تو پھر وہ منافق نہ رہا بلکہ اعلانیہ کافر ہو گیا۔

البتہ ایک اشکال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ، جب حضرت پاک ﷺ کو بذریعہ وحی منافقین کا علم ہو جاتا تھا، تو پھر آپ نے منافقین سے جہاد یعنی قتال کیوں نہ کیا؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق تو ہوتا ہی وہ ہے، جس کے دل میں کفر ہو، مگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے، جس کی وجہ سے لوگ اس کو مسلمان سمجھتے ہیں، تو اگر حضرت پاک ﷺ منافقین کو قتل فرماتے، تو لوگوں کو اعتراض کا موقع ملتا کہ محمد ﷺ اپنے ہی لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔

عہد نبوت کا واقعہ:

شعبان ۵ھ جو غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ یہ مہاجرین لوگ ہم پر غالب آ گئے ہیں، خدا کی قسم مدینہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو مدینہ سے باہر نکال دے، یعنی ہم لوگ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے نکال دیں گے، حضرت پاک ﷺ کو اطلاع پہنچی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے، کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا رہنے دو، کیونکہ (لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے) لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

اب دیکھیں حضرت پاک ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان منافقین کو قتل نہیں کرنا، بلکہ ایک خاص وجہ کے تحت قتل نہیں فرمایا ۔ مگر منافقین کے قتل کو پسند کرنا اور کسی خاص عذر کی وجہ سے قتل نہ کرنا،

اس بات کی دلیل ہے کہ منافق کا قتل بھی فی نفسہ جائز بلکہ سنت ہے۔

مثال:

اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضرت پاک ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر عیینہ بن حصن فزاری کو مدینہ کی نصف کھجوریں دے کر صلح کا ارادہ فرمایا تھا، مگر سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے بعد آپ ﷺ نے ارادہ ملتوی فرما دیا۔ (ابن ہشام) مگر اب یہ مستقل مسئلہ بن گیا ہے کہ اگر کسی وجہ سے کافروں کو مال دے کر صلح کرنی پڑے تو جائز ہے۔ اس طرح پاجامہ حضرت پاک ﷺ نے استعمال نہیں فرمایا مگر صرف پسند فرمایا، مگر اسے استعمال کرنا سنت ہو گیا۔ اور محرم کا دسویں تاریخ کا روزہ رکھا، مگر یہ بھی فرمایا کہ آئندہ برس زندہ رہا، تو ایک روزے کا اضافہ کروں گا لہٰذا اب نو یا گیارہ کا روزہ بھی سنت ہے۔ اس لئے یہ بڑے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ منافقین کا قتل بھی گویا کہ حضرت پاک ﷺ کی سنت سے ثابت ہو گیا۔ لہٰذا اس آیت میں بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات واضح ہو گئی ہے، کہ آیت کریمہ میں "جاھد" سے مراد قاتل ہی ہے۔

اعتراض نمبر:4 (مکی سورت میں دین کی محنت کو جہاد کہنا)

والذین جاہدوا فینا لنھدینہم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین (سورۃ العنکبوت، آیت نمبر:49)
جو لوگ ہمارے لئے محنت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و رضا اور اپنی جنت) کے راستے دکھاتے ہیں۔

یہ آیت مکی ہے اور اس آیت کریمہ میں صاف طور پر دین کی محنت کو جہاد فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ، جہاد کا معنی صرف قتال ہی نہیں، بلکہ دینی محنت و کوشش کو بھی جہاد کہہ سکتے ہیں۔

پہلا جواب:

یہ سورۃ عنکبوت اگرچہ مکی ہے، مگر یہ خاص آیت کریمہ اگر مدنی ہے (جیسا کہ عام طور پر مدنی سورتوں میں مکی آیات اور مکی سورتوں میں مدنی آیات بھی شامل ہیں) تو پھر اس میں بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قتال فی سبیل اللہ کرنے والے کیلئے راہِ جنت اور راہِ قربِ خداوندی بہت جلد کھول دیئے جاتے ہیں۔
اور اگر یہ آیت کریمہ مکی ہے تو، اس کا مطلب بڑا صاف اور واضح ہے کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کیلئے مشکلات برداشت کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو منور فرما دیتے ہیں قرب خداوندی کی منازل وہ لوگ طے کر لیتے ہیں اور ظاہری بات ہے کہ جیسا کہ

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ، لغتِ عرب میں تو ہر کوشش اور محنت کیلیئے لفظ جہاد ہی استعمال ہوتا ہے، مگر اس سے اصطلاحی "جہاد فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں تعمیم اور وسعت کہاں سے ثابت ہوئی؟

دوسرا جواب:

فعل "جاهد يجاهد" بروزن "فاعل يفاعل" کا مصدر "مفاعلة" آتا ہے اور "فعال" بھی۔ اس مقام پر جو "جاهدوا" استعمال فرمایا ہے اس کا مصدر "مجاهدة" ہے نہ کہ "جهاد"۔

اور ہماری گفتگو "جہاد فی سبیل اللہ" کے بارے میں ہے، نہ کہ مجاہدات کے بارے میں اس لئے اس میں کوئی شبہ والی بات باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

حق تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم صحیح سمجھنے کی اور صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اعتراض نمبر:5 (ہمارا جہاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا جہاد نہیں)

بہت سے لوگ جو دین کے دیگر کاموں میں مشغول ہیں۔ مگر بزدلی، کم ہمتی اور موت کے خوف کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاتے ،وہ ایک شوشہ چھوڑتے ہیں کہ بھائی اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہاد جیسا جہاد نہیں اس لئے ہم جہاد نہیں کرتے۔

جواب:

اب ان کم عقلوں اور بد دماغوں سے کوئی پوچھے کہ کیا باقی سارے اعمال ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ہیں۔ کیا ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری زکوٰۃ اور صدقہ اور دیگر ہمارے اعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعمال جیسے ہیں؟ کیا اس کا معنی یہ ہوا کہ ہم تمام اعمالِ شریعت ہی کو چھوڑ دیں کیونکہ ہمارے اعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اعمال جیسے نہیں ہیں؟

اور کیا ہماری شادیاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شادیوں کی طرح ہوتی ہیں؟ پھر پوری زندگی انڈیا کے وزیر اعظم واجپائی کی طرح کنوارے بن کر گزاروگے۔ جنازے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے جنازوں کی طرح ہیں؟ پھر مُردوں کو بھی بغیر جنازوں کو دفناؤ، کھانا پینا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کھانے پینے جیسا نہیں۔ لہٰذا اپنے پیٹ کو کنٹرول کرو اور اوڑھنا اور بچھونا چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوڑھنے بچھونے جیسا نہیں، لہٰذا یونہی راتیں بسر کرو۔

غرضیکہ کون سا عمل ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل کی طرح ہے تو پھر ساری زندگی کے تمام اعمال ہی چھوڑ دو اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھو۔

دعوت و تبلیغ کے کام کو بھی چھوڑ دو۔ کیونکہ ہماری دعوت و تبلیغ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دعوت و تبلیغ جیسی نہیں

کیونکہ وہ تو کافروں کو دعوت دیتے تھے ایمان لانے کے لئے اور ہم مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں اعمال ٹھیک کرنے کی۔ اس درجہ کا اخلاص بھی نہیں۔
تعلیم و تدریس بھی روک دو اور دین کے سیکھنے سے بھی انکار کر دو۔ کیونکہ ہمارے مدارس صفہ کے مدرسے کی طرح نہیں ہیں۔
مساجد کو گرا دو اس لئے کہ یہ مساجد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مساجد کی طرح اخلاص سے قائم نہیں کی گئیں ۔ بلکہ ایمان ہی سے انکار کر دو۔ کیونکہ ہم جتنا بھی زور لگائیں ہمارا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان جیسا تو ہر گز ہو ہی نہیں سکتا۔ نعوذ باللہ اس ایک جملہ نے پورے دین کی بنیاد ہلا کر رکھ دی ہے۔ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ جب باقی سارے دین کے کام ضروری ہیں باوجود یہ کہ ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا اخلاص نہیں پھر ایک جہاد ہی کے ساتھ یہ ضد کیوں ہے؟

کیا بھلا ذکر و تلاوت ہے سلف کی مانند
اور کیا اپنی نمازیں ہیں صحابہ جیسی
پھر یہ حیلہ ہے فقط راہِ خدا میں کیوں کر
ہے کہاں جہد کی صورت میرے آباء جیسی

وجہ صاف ظاہر ہے کہ دل میں نفاق ہے، جہاد کرنا نہیں۔ کیونکہ موت سے ڈر لگتا ہے۔ باقی سارے بہانے ہیں اس لئے میرے دوستو اور بزرگو میرا مشورہ ہے کہ آپ مہربانی کریں ایک مرتبہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس میدان میں نکلیں۔ ان شاء اللہ ایمان بھی بنے گا اعمال بھی درست ہوں گے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت سے محبت پیدا ہو گی اور ایک آدھ خون کا قطرہ گرنے سے دماغ بھی درست ہو گا اور صاف بھی۔

ملحوظہ:

تمام احکامِ شریعت میں دو چیزیں ہیں۔ کمیّت اور کیفیّت۔ کمیت یعنی مقدار مثلاً نمازیں، کتنی فرض ہیں ہر نماز میں کتنی رکعتیں ہیں اور نماز کے فرائض کتنے ہیں واجبات کتنے ہیں، سنتیں کتنی ہیں اور مستحبات کتنے ہیں۔ وضو کے فرائض سنتیں، مستحبات وغیرہ اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ میں غور فرمالیں۔

دوسری چیز ہے کیفیت یعنی اخلاص اور للّٰہیت کس درجہ کی ہے۔ جسکا اعلی درجہ تو ہر عبادت میں وہ ہے جسکا ذکر حدیث جبرئیل علیہ اسلام میں ہے

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك
کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ اسکو دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ کیفیت تو اتنی جلدی حاصل نہ ہو گی۔ اسکے لئے کسی ولی کامل کی صحبت اور مسلسل استحضار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت شرط ہے۔ اور یہ درجہ جس طرح کا حضرت پاک ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نصیب تھا وہ بعد والوں کو کہاں مل سکتا ہے۔

اس لئے حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میر اصحابی رضی اللہ عنہ اگر ایک مٹھی بھی جَو خرچ کرے اور بعد کے لوگ احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کریں تو برابر نہیں ہو سکتے، یہ کیا ہے؟ یہ اخلاص اور کیفیت ہے۔

ہم اصحابِ رسول ﷺ کی طرف سے پہنچنے والی عبادات میں کمیت کے مکلف ہیں۔ یعنی رکعات، تعداد میں کمی بیشی کر سکتے ہیں مگر کیفیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والی کے نہ مکلف ہیں اور نہ ہی وہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔

تمام عبادات کی طرح یہی حال جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ہے کہ ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ شرائطِ جہاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کفر کی کھوپڑیاں اُڑائیں۔ کسی مسلمان کے اوپر ہاتھ نہ اٹھائیں مگر اسمیں اخلاص اس درجہ کا ہو جس درجہ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں تھا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ جب ممکن ہی نہیں تو اسکے مکلف بھی نہیں ہیں لہٰذا اس پر اعتراضات بھی فضول اور بے کار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

"میرے صحابہ! اگر تم دین کے دس فیصد حصہ کو چھوڑ کر نوے فیصد پر عمل کرو گے تو ناکام ہو جاؤ گے جب کہ بعد والے لوگ اگر نوے فیصد کو چھوڑ کر دس فیصد پر عمل کریں گے تو بھی کامیاب ہو جائیں گے کیونکہ تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر ایمان قبول کیا ہے اور بعد والے لوگ بن دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے"۔ (احیاء العلوم)

اعتراض نمبر:6 (اسلام اخلاق سے پھیلا ہے، تلوار سے نہیں)

آج بڑے زور و شور، شدّومد اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا جا رہا ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی بھی کفار سے لڑنے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی بلکہ وہ تو ڈاکوؤں سے حفاظت کے لئے تلواریں اٹھایا کرتے تھے اگر ہماری دعوت صحیح نہج پر چل پڑے تو کفار خود بخود مسلمان ہو جائیں گے ہمیں کسی کو قتل کرنے اور قتل ہونے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی آج کفار اس وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے کہ ہمارے اعمال ٹھیک نہیں ہیں اگر ہمارے اعمال ٹھیک ہو جائیں اور اخلاق درست ہو جائیں تو کفار خود بخود مسلمان ہو جائیں گے۔

پہلا جواب:

آیئے ہم سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ اخلاق کسے کہتے ہیں۔

(1) قرآن کریم نے حضرت پاک ﷺ کی تعریف اور شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انک لعلی خلق عظیم (سورۃ القلم، آیت نمبر:4)
کہ آپ اعلی اخلاق کے نمونہ پر فائز ہیں۔

(2) حضرت ام المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت پاک ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ تو حضرت ام المومنین میری امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

کان خلقہ القرآن
کہ حضرت پاک ﷺ کا اخلاق تو پورا قرآن ہے جو پڑھو گے وہی حضرت پاک ﷺ کے اخلاق ہیں۔

تو غور فرمائیں کہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات کریمہ جہاد کے بارے میں ہیں تو وہ بھی اس روایت کے مطابق حضرت پاک ﷺ کے اخلاق کا حصہ بنیں یا کہ نہیں۔

لہذا تلوار کو اخلاق سے الگ کرنا یا اخلاق اور تلوار کو آپس میں ضد قرار دینا کیا یہ قرآن کریم سے دوری نہیں ہے۔

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت پاک ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ کیا ہے؟ تو حضرت پاک ﷺ نے جواب میں سترہ چیزیں ذکر فرمائیں، ان میں اپنے اخلاق کی تشریح میں فرماتے ہوئے فرمایا کہ میرا اخلاق تو میرا جہاد ہے۔

الجہاد خلقی   میرے اخلاق میرا جہاد ہے۔

دوسرا جواب:

نبی الرحمۃ (رحمت والے نبی)،

نبی التوبۃ (توبہ والے نبی)

جیسے نام ہیں وہیں واضح طور پر

نبی الملاحم (جنگوں والا نبی)

اور صاحب السیف (یعنی تلوار والا نبی)

بھی ہیں۔ تو کیا العیاذ باللہ حضرت پاک ﷺ کے مبارک نام ایسے ہو سکتے ہیں جن میں بد اخلاقی کا شبہ بھی ہو۔

تیسرا جواب:

جب تک تلوار چلتی ہے تو کفار کو تلوار کے زور پر غلام بنایا جاتا ہے، جس سے کفار کو مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور پھر وہ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیں کہ جب کفار کے شہسوار اور جرنیل جن کو اپنی طاقت پر ناز ہوتا ہے اور اپنی قوت پر گھمنڈ ہوتا ہے تلوار ان کے غرور اور طاقت کو توڑ کر انکے غرور کو خاک میں ملا دیتی ہے اور انکو اپنی اوقات دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور سارے وسائل کے ہوتے ہوئے کمزور مسلمانوں کے سامنے ذلت اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت پاک ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں ہی عافیت جانتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض لوگ جنت میں نہیں جانا چاہتے، مگر انکو زنجیر میں جکڑ کر جنت میں لے جایا جائے گا۔

چوتھا جواب:

قابل غور بات یہ ہے کہ ہم اگر اپنی ماں اور بہن کو گالی برداشت نہیں کرتے، اپنے مال گھر اور جائیداد کی حفاظت کی خاطر ہر اقدام کر گزرتے ہیں عدالت میں مقدمہ بازی کرنا، زبان اور ہاتھ کو استعمال کرنا جو بس میں ہو کر گزرنا مگر جب اللہ کے دین کی باری آئے مساجد کو گرا دیا جائے، مدارس کو شہید کیا جائے، مسلمان بچیوں کی عزت کو داغدار کیا جانے لگے، اسلامی شعائر اور احکام کا مذاق اڑایا جاتا ہو، انبیاء علیہم السلام، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، اصحاب رسول ﷺ اور قرآن کی توہین کی جاتی ہو، تو ایسے بدبخت کافروں کے خلاف نہ لڑنے کی ہمت اور نہ ہی لڑتے ہوئے مجاھدین کو دیکھنے کی ہمت، تو کیا یہ اخلاق ہیں؟ اور کیا وسعت ظرفی اسی کا نام ہے؟

پانچواں جواب:

باقی رہی یہ بات کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار سے تو یہ بات بے معنی سی لگتی ہے کیونکہ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ تلوار کوئی اخلاق سے الگ چیز نہیں بلکہ اخلاق ہی کا حصہ ہے تلوار کا کام ہے کہ سرکش اور شرارتی وضدی کافروں کا دماغ ٹھیک کرنا جو راستہ کی رکاوٹ ہو اس کو دور کرنا مگر تلوار کے زور سے کلمہ پڑھانا تو شریعت کا حکم نہیں ہے بلکہ کفار اس بارے میں آزاد ہیں کلمہ پڑھیں یا کفر پر مریں اور جہنم کا ایندھن بنیں۔

اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ کفار کا زور ٹوٹ جائے اور شوکت وغلبہ باقی نہ رہے اگر کفار زندہ رہیں تو جزیہ دے کر مسلمانوں سے زندگی کی بھیک مانگ کر ذلت کے ساتھ زندہ رہیں اس لئے یہ بات فضول ہے کہ کفار کو کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

چھٹا جواب:

اور یہ اعتراض کرنا کہ ہمارے اعمال ٹھیک نہیں اس لئے کفار کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوتے تو یہ بات درست ہے، اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اعمال کن چیزوں کا نام ہے کیا صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ کا نام ہی عمل ہے، نہیں نہیں میرے دوستو اور بزرگو یہ بھی اعمال ہیں اور اسلام کے رکن ہیں مگر جن اعمال سے کفر کو اسلام کے قریب کرنا ہے یہ وہ اعمال نہیں ہیں۔

اصل چیز ہے مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق، عزت، حکومت، شان و شوکت۔ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کی عزتیں محفوظ نہ ہوں مسلمان غلامی کی زندگی گزار رہے ہوں جان اور مال کفار کے رحم و کرم پر ہوں تو کفار ایسے غلاموں کو دیکھ کر تو کلمہ نہیں پڑھیں گے کیونکہ یہ بات تو مسلم ہے۔

الناس علی دین ملوکھم
کہ لوگ بادشاہوں کے دین پر ہی ہوتے ہیں نہ کہ غلاموں کے دین پر۔

آج تک انفرادی طور پر تو اگرچہ بعض بزرگوں کی دعوت پر کافروں نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا ہو مگر اجتماعی طور پر بحیثیت قوم اسلام اسی وقت ہی قبول کیا گیا جب اسلام کو تسلط اور غلبہ ہوا۔

صرف عہدِ رسالت ہی کو دیکھ لیں، قرآن کہتا ہے،

اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔(سورۃالنصر)

کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کو غلبہ اور قوت حاصل ہو گئی تو لوگ قبیلہ در قبیلہ اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے، ورنہ تو ایک ایک کر کے ہی کلمہ پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے میرے دوستو بزرگو جہاں دوسرے اعمال کی ضرورت ہے وہاں جہاد فی سبیل اللہ اور خلافت کے قیام جیسے اعمال کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اور اس پر بطور خاص توجہ دیں تا کہ اسلام پھیل سکے اور اسلام صحیح معنوں میں اصل شکل و صورت کے ساتھ زندہ رہ سکے۔

اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں اس کا ذریعہ بنادے۔ آمین یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن

اعتراض نمبر:7 (مجاہدین کے اعمال صحیح نہیں، پہلے اپنے عمل کو صحیح کریں)

ہم مجاہدین کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اعمال شریعت کے مطابق نہیں۔ انکی شلواریں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں۔ انکی داڑھی بالکل مونڈھی ہوئی ہوتی ہے۔ یا حدِ واجب سے بھی کم تراشی ہوئی ہوتی ہے۔ انکے گھر کا ماحول شریعت کے مخالف ہوتا ہے۔
یہ تصویریں کھنچواتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔
لہٰذا ان کے اس عمل کو جہاد نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر یہ مجاہد ہوتے، تو پہلے خود کو ٹھیک کرتے پھر جہاد کرتے۔ اس لئے مجاہدین کو چاہئے کہ پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کریں پھر جہاد کریں۔

پہلا جواب:

جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا فریضہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے مسلمان ملکر نماز جیسی فرض عبادت بھی ترک کر دیں، تو جہاد کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ جہاد الگ فرض ہے۔ نماز روزہ الگ فرائض ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کے لئے شرط نہیں۔

جیسے دیکھئے اگر کوئی شخص روزہ رکھے مگر نماز نہ پڑھے تو اسکی نماز نہ پڑھنے سے، روزہ تو باطل نہ ہوگا، بلکہ نماز کے چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔ مگر روزہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔

عام لوگ تو کجا اگر حاکم وقت بھی بد عمل اور ظالم ہو جائے، تو بھی جہاد تو ساقط نہیں ہوتا۔

صریح حدیث ہے۔

الجہاد ماض مذ بعثتی اللہ الی ان یقاتل آخر ھذہ الامۃ الدجال لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔
جہاد میری بعثت سے لے کر دجال کے قتل تک جاری رہے گا، کسی ظالم اور نہ ہی کسی عادل (بادشاہ) کے عدل سے یہ ختم ہو گا۔

دوسرا جواب:

ہم دیکھتے ہیں ایک شخص دین سیکھنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے، اور وہ نماز میں سستی کرتا ہے، بلکہ بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ بعض لوگ نشہ بھی کر رہے ہیں، اور دین سیکھنے اور پھیلانے کے لئے سفر بھی کر رہے ہیں۔ اب اگر ان کے بڑوں سے کہا جائے کہ اس شخص کو روک دو۔ اگر باز نہ آئے تو اسکو جماعت سے نکال کر گھر بھیج دو۔ تو جواب ملتا ہے کہ بھائی ہم نکالیں تو یہ زیادہ خراب ہو جائے گا۔ اسکو پینے دو ان شااللہ دین کی محنت کی برکت سے ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر اسی طرح کا واقعہ اگر کسی مجاہد کے ساتھ پیش آجائے۔ یعنی جہاد میں کوئی ایسا شخص نظر آجائے، تو اسکی ذات تو کیا خود جہاد پر اعتراضات شروع کر دیے جاتے ہیں ۔اس رویہ کو سوائے جہاد کے ساتھ عداوت اور بغض کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر دل میں جہاد اور مجاہدین کی محبت ہوتی، تو ایسے مجاہد کے بارے میں بھی کہا جا سکتا تھا کہ، یہ بھی آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

تیسرا جواب:

حقیقت یہ ہے کہ یہ مجاہدین پر الزامات اور بہتانات ہیں کہ، مجاہدین غیر شرعی افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض افراد یا بعض جماعتیں اپنے مخصوص مفادات کی بنا پر جہاد کا نام استعمال کرتی ہیں اور مجاہدین کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔ لہٰذا انکو دیکھ کر جہاد پر اعتراض کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی چور مسجد میں آئے اور نمازی کا جوتا چوری کر لے، یا کسی کی جیب تراش لے

تو آپ یہی کہیں گے کہ یہ چور تھا، جو مسجد میں چوری کے لئے آیا تھا نہ کہ نمازی تھا، جو کہ چوری کر کے چلا گیا۔ اس چوری کی خاطر مسجد میں آنے والے شخص کو دیکھ کر فریضہ نماز یا دیگر مخلص نمازیوں پر کوئی عقل مند شخص اعتراض نہیں کرتا۔

اعتراض نمبر:8 (جہاد کے لئے حکومت کی شرط)

جہاد کے لئے حکومت اور مرکز کا قیام شرط ہے، حکومت کے بغیر جہاد بالکل جائز نہیں ہے۔
کیونکہ خود حضرت پاک ﷺ نے جب تک مدینہ منورہ میں حکومت اور مرکز قائم نہیں فرمایا، اسوقت تک جہاد شروع نہیں کیا۔

پہلا جواب:

جہاد کی دو قسمیں ہیں اقدامی، دفاعی۔

اقدامی جہاد:
اسلام کو عزت و شوکت اور قوت حاصل ہو اور مزید فریضہ جہاد کو جاری رکھنے کے لئے مسلمانوں کا ایک دستہ اور قافلہ کافروں کی طرف پیش قدمی کر رہا ہو۔ جہاد کی یہ قسم فرضِ کفایہ ہے۔ اسکے لئے والدین کی اجازت، جنگ سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت اور بعض کے ہاں طاقت کا توازن شرط ہے اسی طرح اس جہاد میں مسلمانوں کے لئے ایک مرکز اور حکومت بھی شرط ہے اور یہ جہاد بھی ہر وقت جاری رہنا ضروری ہے اگر کسی وقت یہ جہاد موقوف ہو گیا تو پوری امت گناہ گار ہو گی اور چند ایک کے ادا کرتے رہنے سے پوری امت اس کے چھوڑنے کے گناہ سے محفوظ رہے گی۔ جیسے نمازِ جنازہ۔

دفاعی جہاد:
کفار نے مسلمانوں کے ملک پر چڑھائی کر دی یا کفار نے مسلمانوں کی ایسی زمین پر قبضہ کر لیا جو ایک گھنٹہ بھی خلافت کے زیر اثر رہی ہو تو سب سے پہلے قرب و جوار کے مسلمانوں پر اور انکے کم ہونے یا نہ کرنے کی صورت میں دنیا کے تمام مسلمانوں پر کفار کو دفع کرنا فرض ہو جاتا ہے اور جہاد کی اس قسم کے لئے کوئی شرط نہیں حتیٰ کہ اسلام کی دعوت دینا بھی شرط نہیں، نہ ہی حکومت اور نہ ہی والدین کی اجازت شرط ہے۔ اور بیوی کے لئے شوہر کی اور باندی و غلام کے لئے آقا کی اجازت بھی شرط نہیں ہے۔
آج کل پوری دنیا میں اسی قسم کا دفاعی جہاد ہو رہا ہے، کہیں بھی اقدامی جہاد نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی جلد لائے کہ جب اقدامی جہاد شروع ہو۔

دوسرا جواب:

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت پاک ﷺ پر اسوقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا جب تک آپ ﷺ نے مرکز قائم نہیں کیا اور حکومت اسلامیہ کی بنیاد نہیں رکھی۔ تو میری گزارش صرف اتنی ہے کہ اگر جہاد کے لئے حکومت کی شرط کی بنیاد صرف یہ ہی

بات ہے تو پھر دوسرے وہ تمام احکام جو کہ اسوقت نازل ہوئے جب حضرت پاک ﷺ مرکز اور حکومتِ اسلامیہ کی بنیاد رکھ چکے تھے جیسے روزہ، زکوۃ اور میراث وغیرہ تو کیا ان احکام کے لئے بھی مرکز اور حکومت کے قیام کی شرط ہے؟ اگر نہیں اور یقینا نہیں تو پھر یہ جہاد کے لئے کیوں شرط ہے۔ دونوں کے درمیان فرق کی وجہ بھی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالی ہم کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ہو نہیں سکتا بھلا کیونکر جہاد
اے مرے مخلص، حکومت کے بغیر
آخرش میراث وروزہ اور زکوٰۃ
سب ہی نافذ ہیں خلافت کے بغیر

تیسرا جواب:

جہاد تو خود حکومتِ اسلامیہ اور خلافت قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اب اگر حکومت کو شرط قرار دیں تو جہاد کے قائم کرنے کے لئے تو منطق کی اصطلاح میں (دور) لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

اعتراض نمبر:9 (والدین کی خدمت بھی جہاد ہے)

عن عبد الله بن عمر و قال جاء رجل الی رسول الله ﷺ فاستاذنہ فی الجهاد فقال احی والداک قال نعم قال ففیهما فجاہد(مشکوۃ، کتاب الجہاد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو حضرت پاک ﷺ نے پوچھا کہ تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا جی ہاں تو حضرت پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم والدین کی خدمت کر کے جہاد کرو یعنی والدین کی خدمت کرو اور تمھارا یہی جہاد ہے۔
اب اس حدیث شریف میں والدین کی خدمت کرنے کو جہاد قرار دیا، تو معلوم ہوا کہ صرف قتال ہی جہاد نہیں بلکہ والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔

جواب:

اس میں شک نہیں کہ حقوق العباد میں سب سے بڑا حق والدین کی خدمت ہے۔ والد کی رضا کو رب کی رضا فرمایا گیا والدہ کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے۔ اولاد کا مال والد کا مال قرار دیا گیا ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی کو بتلایا گیا۔ والدین کے نافرمان کے لئے ہلاکت وبربادی کی جبرائیل علیہ السلام نے بددعا کی اور حضرت پاک ﷺ نے آمین فرمائی

۔والدہ کی نافرمانی کرنے والے کی زبان پر موت کے وقت کلمہ کا جاری نہ ہونا، روح کا بدن سے نہ نکلنا اور تڑپتے رہنا اور والدہ کے معاف کرنے پر زبان پر کلمہ کا جاری ہو جانا اور فوراً روح کا نکل جانا احادیث میں آیا ہے۔
والدین کے ان حقوق یا خدمتِ والدین پر وارد شدہ فضائل اور نافرمانی کا بہت بڑا جرم ہونا اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر اس سے مطلقاً والدین کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا معنی متعین ہے اور وہ ہے قتال فی سبیل اللہ۔ باقی رہا یہ اشکال کہ پھر حدیث شریف میں والدین کی خدمت کو جہاد کیوں قرار دیا گیا تو اس کا آسان اور سیدھا سا جواب یہ ہے کہ حضرت پاک ﷺ صرف نبی ہی نہ تھے بلکہ نبی و رسول ہونے کے ساتھ ساتھ مفتی، قاضی، امام، خطیب، مبلغ اور امیر المجاہدین بھی تھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کا اصل منصب تو نبوت ہی تھا مگر امت کو تعلیم دینے کے لئے ان باقی سارے مناصب پر حضرت پاک ﷺ ہی فائز تھے۔ صحابیِ رسول ﷺ تو جہاد کی نیت کے ساتھ حاضر ہوئے مگر حضرت پاک ﷺ نے انکی تشکیل بجائے میدانِ جنگ کے والدین کی خدمت پر کر دی لہٰذا اس صحابی کا والدین کی خدمت کرنا صرف اس بنیاد پر جہاد نہیں تھا کہ والدین کی خدمت کرنا جہاد ہے بلکہ وہ اس بنیاد پر جہاد تھا کہ وہ امیر کی اطاعت و تشکیل کے اندر تھے۔

حیلے بہانے کر کے بچائے جو جان کو
دراصل ذاتِ حق سے محبت نہیں اسے
مانا کہ والدین کی خدمت بھی ہے جہاد
لیکن محاذِ جنگ سے نسبت نہیں اسے

توضیح:

والدین کی خدمت تو بہت بڑی بات ہے اگر امیر المجاہدین کسی شخص کو عین میدان جنگ سے پیچھے بھیج دیں اور بیت الخلاء کی صفائی پر لگا دیں تو یہ بیت الخلاء کی صفائی بھی جہاد ہی کہلائے گی بایں معنی کے اس پر بھی جہاد کا مکمل ثواب ملے گا۔
یہ واقعہ صرف اس صحابیؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسکی اور بھی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔

مثال:

حضرت عثمانؓ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت پاک ﷺ نے انکو بدر کے مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ بھی دیا حالانکہ حضرت عثمانؓ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی بیوی اور حضرت پاک ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیماری کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھے مگر ان کو بدریوں میں شمار کرنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ بیوی کی تیمارداری کے لئے خود نہیں ٹھہرے تھے بلکہ حضرت پاک ﷺ نے انکی تشکیل فرمائی تھی۔

توکیااس حدیث شریف کی وجہ سے کوئی شخص بھی اپنی بیوی کی خدمت اور بیمار پرسی کو جہاد کہتا ہے جب کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایک طرح حضرت عثمان ؓ کا واقعہ زیادہ مضبوط ہے کیونکہ ان کو مالِ غنیمت سے حصہ بھی ملا حالانکہ جنگ میں شریک بھی نہیں تھے۔

تاریخ میں حضرت عثمان ؓ کے علاوہ مزید آٹھ ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام ملتے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہونے کے باوجود بدری کہلاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ انکی تشکیل خود حضرت پاک ﷺ نے فرمائی تھی۔ وہ آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ ہیں۔

(1) حضرت طلحہ ؓ (۲) حضرت سعید بن زید ؓ (۳) حضرت ابولبابہ انصاری ؓ (۴) حضرت عاصم بن عدی ؓ (۵) حضرت حارث بن حاطب ؓ (۶) حضرت حارث بن صمہ ؓ (۷) حضرت خوات بن جبیر ؓ (۸) حضرت جعفر ؓ۔

خلاصہ کلام:

لہٰذا اس حدیث شریف کی بناء پر بغیر امیر کی اجازت اور تشکیل کے جہاد کو چھوڑ کر از خود والدین کی خدمت میں لگے رہنا اور اس خدمت کو جہاد سمجھ کر میدانِ جنگ سے منہ موڑنا اور پھر خود کو مجاہد کہنا یا کہلوانا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

اعتراض نمبر:10 (سورۃ العادیات میں گھوڑوں کی قسم کھائی ہے)

سورۃ العادیات میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے پاؤں کی قسمیں کھائی ہیں، مگر یہ فضیلتیں جہاد اور مجاہدین کے گھوڑوں کی نہیں ہیں۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ تو مدینہ منورہ میں نازل ہوا اور یہ سورت مکی ہے۔ مکی سورتوں میں بیان ہونے والے فضائل مدنی احکامات کے لئے کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب:

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں حضرات مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں اور بعض حضرات اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے حضرات کی رائے گرامی کے مطابق اس اعتراض کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

تفسیر:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حسن بصری، عکرمہ، عطا، رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مکی ہے (تفسیر قرطبی)

اس سورت میں آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں مطلقاً جنگی گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے، خواہ وہ جنگی گھوڑے جہاد کیلئے ہوں یا غیر جہاد کیلئے، مگر ہوں جنگی گھوڑے۔

اور مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ گھوڑا جانور ہو کر اپنے مالک اور وہ بھی مجازی اور عارضی کا دانہ گھاس پھوس وغیرہ کھاتا ہے اور اس کے ساتھ وفا کا حق ادا کر دیتا ہے، اپنے مالک کے اشارہ پر گھمسان کی جنگوں میں گھس جاتا ہے، گولیوں کی بارش میں سینہ تان کر مالک کے دشمن کی طرف بڑھتا ہے اور اپنے مالک کو بچانے کیلئے اپنی جان تک کو قربان کر دیتا ہے۔

تو اے انسان! تو اپنے مالک حقیقی کا اس قدر احسان مند بھی نہیں بنتا، جس قدر ایک جانور اپنے مالکِ عارضی و مجازی کا بنتا ہے، تو وفا شعاری میں جانور سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔

یعنی انسان کو ترغیب و ترہیب کے ساتھ راہِ حق پر ڈالنا مقصود ہے۔

تو اس تفسیر کے مطابق اس سورۃ کا جہاد یا مجاہدین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ضروری تو نہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت، ہر سورۃ میں بیان ہونے والی فضیلت مجاہدین اور جہاد کے لئے ہی ہو۔ نماز، روزہ، زکوۃ، حج، کی طرح دیگر اعمالِ شریعت مثلاً شکر و صبر، سخاوت و شجاعت، صداقت و حیاء جیسی صفات بھی قرآن نے بیان فرمائی ہیں۔

اس لئے اس سورۃ کے مجاہدین کے بارے میں نازل نہ ہونے سے مجاہدین کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مجاہدین کی شان و عظمت اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کے فضائل قرآن و احادیث رسول ﷺ میں بے شمار موجود ہیں۔

خلاصہ کلام:

یہ ہے کہ اس آیت کو مکی قرار دے کر، خواہ مخواہ مجاہدین کے بارے میں فضائل سے پریشان ہونا، اہل ایمان کا شیوہ نہیں ۔کیونکہ اگر چند اکابر نے اس کو مکی فرمایا تو دوسرے چند اکابر مدنی بھی ہونے کے قائل ہیں۔

نیز اس آیت کو خواہ مخواہ مدنی قرار دے کر اس کو ہر حال میں مجاہدین کی فضلیت پر ہی محمول کرنا قرآن فہمی نہیں ہے کیونکہ اگر چند اکابر نے اس کو مدنی فرمایا تو دوسرے چند اکابر اس کے مکی ہونے کے بھی قائل ہیں۔